جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو بلا دلیل گمراہ قرار دیتے ہیں۔

(۲) حکمران ہوسِ اقتدار میں شرعی احکامِ حکمرانی کو نظر انداز کر کے حالت امن میں عوام کو اور حالت خوف میں دشمنوں کو خوش کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

(۳) بہت سے نوجوان عیاشی میں کھو کر آخرت کو بھول چکے ہیں۔ مغربی قوانین اور الیکٹرانک میڈیا نے ان کی عفت و عصمت اور تعلیم و کارکردگی کو داؤ پر لگا رکھا ہے۔ کرپٹ حکمرانوں نے انہیں کھیلوں میں الجھا رکھا ہے۔

(۴) نوجوانوں کی ایک مختصر تعداد دین اسلام کی عظمت بحال کرنے کی خاطر پرخلوص قربانیاں پیش کرنے کی خواہش مند ہے، لیکن مسلم حکمرانوں کی کفرنوازی اور ذلت ناک مرعوبیت نے انہیں انتہا پسند جماعتوں کے دامِ تزویر میں پھنسا رکھا ہے۔ کچھ حکومتیں اصل دشمن کو بھول کر انہیں صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تلی ہوئی ہیں۔

آج اسلامی ممالک کے پاس ایک عدد **''فوجی اتحاد''** قائم ہے، اسی کو اسلامی غیرت اور جذبہ جہاد سے سرشار کر کے مضبوط و منظّم کرنا اور اسے وسعت دے کر پوری امت کا اتحاد بنانا عصر حاضر کی اہم ترین ضرورت ہے۔ زندہ و فعال فوجی اتحاد ہی امت اسلامیہ کو اسلام کے دشمن نمبر ایک امریکہ اور اس کے پٹھو اقوام متحدہ سے مطالبات کرنے کی ذلت سے نجات دے سکتا ہے۔ اور **فقہ الواقع** کے تقاضوں کے مطابق عملی ''جہاد فی سبیل اللہ'' نہ صرف دین اسلام کی شہرت کو داغدار کرنے والی انتہا پسندی کے شر سے اسلام اور مسلمانوں کو نجات دلائے گا؛ بلکہ ملت کی بگڑتی ہوئی اس افرادی قوت کو راہِ راست پر لا کر ان کے ذریعے ''اعلائے کلمۃ اللہ'' کا گمشدہ مبارک نصب العین دوبارہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ﴿وَمَا ذٰلِکَ عَلَى اللهِ بِعَزِیْزٍ﴾ امت اسلامیہ کی عظمت رفتہ بحال کرنے کا اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔

الحمد للہ مخلص و پرجوش مسلم نوجوان ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے لیے ایک کال کے منتظر ہیں۔ اس عظیم افرادی قوت کو ہر اسلامی ملک میں سرکاری سطح پر منظّم کر کے امت مسلمہ کی عزت افزائی اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے استعمال کریں، تو نہ صرف حقیر اسرائیل بلکہ کسی بھی ظالم سپر پاور کو شکست فاش دی جا سکتی ہے۔

ان شاء اللہ ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی برکت سے ان کا تزکیہ نفس ہوگا۔ اور وہ ملت اسلامیہ کے مفید ترین افراد بن کر دشمنوں کے گندے عزائم کو خاک میں ملا دیں گے اور امت مسلمہ کی عظمت رفتہ بحال ہو جائے گی۔

درسِ قرآن مجید

تراثِ رحمانی در فوائد قرآنی

ڈاکٹر محمد اسماعیل امین

﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَا بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَھُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ لِیُحَآجُّوْکُمْ بِہٖ عِنْدَ رَبِّکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ○﴾ [البقرة ٧٦-٧٧]

ترجمہ: ''اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے، تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے، اور جب وہ آپس میں ایک دوسرے سے خلوت میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں: کیا تم انہیں وہ باتیں بیان کرتے ہو، جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں، تاکہ وہ ان کے ذریعے تمہارے رب کے پاس تم سے جھگڑیں؛ تم اتنی سمجھ نہیں رکھتے ؟! اور کیا انہیں معلوم نہیں کہ بلا شبہ اللہ پاک جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں؟!''

سابقہ آیات سے ربط اور مختصر تفسیر

سابقہ آیات میں بنی اسرائیل کی سرکشیوں کا تذکرہ ہو رہا تھا، جن میں سے ان کے علمائے سوء کا یہ سنگین جرم بھی تھا کہ وہ مقدس آسمانی کتب میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ ان کی سنگ دلی اتنی بڑھی کہ بڑے خطرناک جرائم سرزد ہوئے تو اللہ پاک نے پیارے نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو تنبیہ کی کہ آپ لوگوں کا ان سے اسلام قبول کرنے کی امید رکھنا فضول ہے۔ زیرِ تفسیر آیات میں ان یہودیوں میں سے منافقت کے مرتکب لوگوں کا ایک کرتوت بیان فرمایا۔

امام طبریؒ کہتے ہیں: ان آیات میں مذکور منافقانہ رویہ اختیار کرنے والے وہی لوگ ہیں جو تورات میں تحریف کرتے تھے۔ جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں آیا ہے: ﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ و عاطفہ ہے، إذا حرف شرط ہے۔

﴿لَقُوْا﴾ دراصل لَقِیُوْا تھا، تعلیل ہو کر لَقُوْا بن گیا، ضمیر کا مرجع یہود ہیں۔ ﴿الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ یعنی یہودی

منافق، مسلمانوں سے ملتے تو انہیں خوش کر کے دنیاوی مفادات سمیٹنے کی خاطر اسلام کا دعوی کرتے، جبکہ ان کے دل کفر سے بھرپور تھے۔ ﴿خلا﴾ فعل ماضی مفرد غائب ہے، جو اصل میں تھا: خَلَوَ۔ تعلیل سے خلا بن گیا، جس کا ترجمہ ہے: الگ ہونا، خلوت میں جانا۔ ﴿بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ جب ان میں سے منافق لوگ جب دوسرے یہودیوں کے ساتھ الگ مجلس میں ہوتے تو وہ ان منافقین کی سخت سرزنش کرتے ہوئے کہتے: ﴿اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ ہمزہ استفہام انکار اور تعجب کے لیے ہے۔ یعنی کیا تم ان مسلمانوں کو خبر دے رہے ہو؟!

﴿بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ میں ما موصولہ ہے۔ فتح اکثر مفسرین کے نزدیک: النصر، القضاء والحکم یعنی مدد یا فیصلہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ﴾ ''ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرما، اور تو ہی بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔'' اہل یمن قاضی کو الفتاح کہتے ہیں، کیونکہ وہ فیصلہ کے ذریعے مظلوم کی مدد کرتا ہے۔ امام ابن عطیہ کہتے ہیں: الفتح سے متعلق سلفؒ سے مختلف روایات منقول ہیں: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں: کچھ یہودی مسلمانوں سے ملتے تو کہتے تھے کہ تمہارے ساتھی محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، لیکن وہ صرف تم عرب والوں کا نبی ہے۔ جب وہ اپنے ہم مذہب یہود سے ملتے تو انہیں سختی سے منع کرتے کہ تم عرب والوں کو یہ نہ کہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، جس کے تم منتظر تھے۔ اور تم اس کے ذریعے عرب کے خلاف فیصلہ اور مدد چاہتے تھے۔ کیونکہ اس بات میں مسلمانوں کو تمہارے خلاف دلیل ملے گی۔

امام السدیؒ کے نزدیک یہ یہودیوں کا ایک گروہ ہے، جنہوں نے پہلے اسلام قبول کیا، تو انہوں نے مسلمانوں کو ان چیزوں کے بارے میں بتلایا، جن کے ذریعے انہیں عذاب ہوا تھا۔ پھر وہ منافق بن گئے، تو دوسرے یہود انہیں منع کرتے تھے کہ تم مسلمانوں کو اپنے عذاب کے واقعات بیان نہ کرو۔ تمہارا بیان سن کر مسلمان کہیں گے کہ ہم ان یہودیوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ معزز ہیں۔ اس سلسلے میں بنو قریظہ کا واقعہ پیش کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کے حکم پر حضرت علیؓ بنی قریظہ کے پاس گئے، تو انہوں نے نبی ﷺ کے بارے میں بدکلامی کی۔ حضرت علیؓ کی اطلاع پر رسول اللہ ﷺ ان کے

پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: ''اے بندر وخنزیر کے بھائیو اور بتوں کے پجاریو!'' تو یہودی آپس میں کہنے لگے: ہمارے خنزیر اور بندر بننے کے واقعات مسلمانوں کو تم یہود کے علاوہ کون بتا سکتا ہے؟ تم میں سے کسی نے ضرور بتایا ہوگا۔ آئندہ اس طرح کی باتیں نہ کہنا، کیونکہ یہ ہمارے خلاف حجت بنیں گی۔[تفسير الطبري عن مجاهد]

ابن جریرؒ نے ابن زیدؒ سے آیت مبارکہ کے سبب نزول میں واقعہ نقل کیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں صرف مؤمنوں کو داخلہ کی اجازت دی، تو کچھ یہودیوں نے مدینہ داخلہ کے لیے ایمان کا اظہار کیا۔ مسلمانوں نے ان سے تورات میں موجود اسلام اور آخری نبی ﷺ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب دیا۔ اس پر دوسرے یہودی انہیں ڈانٹتے تھے۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں عکرمہؒ مولی ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک یہودیہ نے زنا کا ارتکاب کیا تو یہود آپ ﷺ کے پاس آسانی اور رخصت کے حصول کے لیے چلے آئے، تو نبی کریم ﷺ نے ان کے عالم ابن صوریا کو بلا کر پوچھا: تم زانی کے بارے میں کیا فیصلہ پاتے ہو؟ اس نے کہا: ہم اسے مختلف سمت میں گدھے پر بٹھا کر گھماتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا یہ اللہ کا فیصلہ ہے یا موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق ہے؟ تو اس نے کہا: دراصل ہماری عورتیں خوبصورت تھیں، زنا کے کیس زیادہ پیش آئے تو ہم نے اس حکم کو تبدیل کر دیا تھا۔ ابن صوریا کی یہ بات دوسرے یہودیوں کو پسند نہ آئی۔ حضرت عکرمہؒ کہتے ہیں: یہودیوں نے یہ حکم الٰہی چھ سو سال قبل بدل دیا تھا۔

﴿بما فتح الله عليكم﴾ کا دوسرا معنیٰ ہے: بما علّمكم اللهُ یعنی یہودی آپس میں کہتے تھے کہ ان مسلمانوں کو اس کے بارے میں کیوں بتلاتے ہو جس کا اللہ نے تمہیں علم دیا ہے۔

بہت سے اسلافؒ کی رائے کے مطابق اس سے مراد نبی آخر الزمان ﷺ کی صفات اور پیش گوئیاں ہیں جو تورات وانجیل میں ہیں، جنہیں بعض یہود مسلمانوں کو بیان کرتے تھے۔ اس پر دوسرے یہودی انہیں ڈانٹتے تھے کہ آخری نبی ﷺ کے بارے میں ہماری کتابوں کی معلومات اور پیش گوئیاں مسلمانوں کو نہ بتلاؤ، ورنہ یہی باتیں تمہارے خلاف حجت بنیں گی۔

ایک روایت کے مطابق نبی ﷺ کے زمانے میں کئی مسلمانوں کی ملاقات ان کے یہودی حلیف یا رضاعی بھائی سے

ہوتی تو وہ یہودی اس سے کہتا: تمہارا دین صحیح ہے، اور تمہارا نبی برحق ہے، اسی دین پر قائم رہو۔ تو مسلمان اس سے سوال کرتا کہ کیا تمہاری کتاب میں ہمارے نبی ﷺ کی صفات موجود ہیں؟ وہ یہودی مسلمان کو وہ صفات بتا دیتا، جو تورات میں موجود ہوتیں۔ اس پر کعب بن اشرف وغیرہ سرداران سے کہتے: مسلمانوں کو اپنے خلاف حجت کیوں فراہم کرتے ہو؟

امام ابن جریر طبریؒ نے ﴿أتحدثونهم بما فتح الله عليكم﴾ میں فتح کے قضا اور فیصلہ کے مفہوم کو راجح قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے متعلق جتنے فیصلے کیے تھے، وہ سب اس مفہوم میں شامل ہیں۔ اللہ کا فیصلہ یہ بھی تھا کہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا سب پر ضروری ہے۔ اسی لیے ان سے اس پر پختہ میثاق لیا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے نافرمانوں کو بندر اور خنزیر بنا دیا۔ اس کے علاوہ جتنے فیصلے تھے، سب اس میں شامل ہیں۔

﴿ليحآجوكم به عند ربكم﴾ اس میں لام تعلیل اور کَیْ ہے۔ اس لیے لام کے بعد أن منصوب ہونے کی وجہ سے یحاجوا منصوب ہے۔ لیکن شیخ ابن العثیمینؒ کی رائے کے مطابق لام عاقبت کے معنی میں ہے۔ یعنی جو تم اہل اسلام کو خبر دے رہے ہو، اس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ تمہارے خلاف اللہ کے ہاں حجت قائم کریں گے۔ اور یحاجوا باب مفاعلہ سے فعل مضارع ہے، جس کا اصل الحجة ہے جو درست اور سیدھی بات کو کہا جاتا ہے۔ اسی سے محجة الطريق کا معنی راستے کا درمیانی حصہ ہے۔ اس سے یہ فرمان نبوی بھی ہے: ''تركتكم على المحجةِ البيضاء ليلُها كنهارِها'' میں نے تمہیں انتہائی واضح طریقے اور منہج پر چھوڑا ہے، جس کی رات بھی دن جیسی روشن ہے۔ اور کہا جاتا ہے: **حاجَجْتُ فلانًا فحَجَجْتُه** میں نے فلاں کے خلاف حجت پیش کی اور میں حجت میں غالب آیا۔

اسی سے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''فحجَّ آدمُ موسیٰ'' اور الحجَّة کا اصل حَجّ یعنی قصد سے ہے، کیونکہ حجت پیش کرنے والا دوسرے پر غلبہ کا قصد کرتا ہے۔ ﴿عند ربكم﴾ کے مفہوم میں سلفؒ سے متعدد اقوال منقول ہیں، ان میں سے مشہور دو قول ہیں جو ابن الجوزیؒ نے نقل کیے ہیں:

(۱): أي في حكمِ ربّكم یعنی تمہارے رب کے حکم یعنی شریعت میں مسلمانوں کو تمہارے خلاف حجت ملے گی۔

(۲): اس سے مراد قیامت کا دن ہے، یعنی مسلمان روز قیامت تمہارے خلاف حجت قائم کریں گے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ثُمَّ إنكم يومَ القيامة عند ربّكم تختصمونَ ۝﴾ ''پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے ہاں جھگڑو گے۔''

﴿أفلا تعقلون﴾ ہمزہ استفہام ڈانٹ کے لیے ہے۔ جو یہودی مسلمانوں کو تورات میں مذکور نبی کریم ﷺ کی صفات کے بارے میں بتاتے تھے، انہیں علمائے یہود خوب سرزنش کرتے تھے: ﴿أفلا تعقلون﴾ کہ تمہاری عقل کہاں کھو گئی ہے؟ کیونکہ جب تم مسلمانوں کو یہ کہو گے کہ تمہارا نبی برحق ہے، تمہارا دین سچا ہے۔ تو اس سے تم اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہو۔ کیونکہ تمہاری اس گواہی سے تمہارے خلاف حجت قائم ہوگی۔

امام ابن عطیہ وغیرہ نے یہاں ایک اور احتمال ذکر کیا ہے: ﴿أفلا تعقلون﴾ کا تعلق سابقہ آیت ﴿افتطمعون أن يؤمنوا لكم﴾ کے ساتھ ہے۔ اور اس میں اللہ رب العزت اہل ایمان سے مخاطب ہے: کیا تم ان یہودیوں کے حالات کو نہیں سمجھتے؟ پس ان کے قبولیت ایمان سے متعلق تمہاری امید بے سود ہے۔

شیخ ابن العثیمین نے نحوی بحث کی ہے: ﴿أفلا تعقلون﴾ میں ہمزہ کے بعد حرف عطف ''فا'' آیا ہے۔ اس طرح کی ترکیب قرآن مجید میں بکثرت آئی ہے، جیسے: ﴿أفلا تذكرون﴾، ﴿أفلم يسيروا﴾ ہمزہ استفہام ہمیشہ جملے کے شروع میں آتا ہے، لیکن حرف عطف کے ساتھ آئے تو ہمزہ استفہام شروع میں آنے کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس کے جواب میں نحوی علماء کے پاس دو رائے پائی جاتی ہیں:

(۱) ہمزہ استفہام اور حرف عطف کے درمیان ایک جملہ محذوف ہوتا ہے، جس پر مذکورہ جملہ عطف کیا گیا ہے۔ محذوف جملہ سیاق آیت کی مناسبت سے مصدر مان لیا جائے گا۔ ﴿أفلا تعقلون﴾ میں تقدیر ہے: أ جهِلتُم یا سَفِهتُم فلا تعقلون؟ اور یہی رائے زیادہ دقیق ہے۔

(۲) بعض کے نزدیک اصل میں حرف عطف مقدم تھا، ہمزہ بعد میں تھا۔ تقدیر جملہ یہ ہے: فألا تعقلون؟ پھر صرف حرف عطف کو اپنی جگہ سے مؤخر کر کے ہمزہ اس کی جگہ لایا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے جب یہودیوں کی وہ احمقانہ باتیں نقل فرمائیں، جن کا تعلق اللہ تعالیٰ، اس کے دین اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، اس لیے انہیں جاہل اور نادان لوگوں کی جگہ اتار کر فرمایا: ﴿أ وَلا یعلمون أنَّ اللہ یعلمُ﴾ کیا انہیں اللہ کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ ان کی خفیہ اور ظاہری باتوں کو خوب جانتے ہیں۔ ﴿أو لا یعلمون﴾ میں ہمزہ استفہام ان یہودیوں کی ڈانٹ کے لیے ہے۔ ﴿أنَ اللہ﴾ میں أنَ حرف تحقیق ہے، یعنی بلا شبہ اللہ جانتا ہے۔

﴿ما یسرون﴾ ما موصولہ ہے۔ ﴿یسرون﴾ أسرَّ یُسرُّ سے مضارع ہے، جس کا مصدر إسرار چھپانے اور دل میں راز رکھنے کو کہا جاتا ہے۔ ﴿وما یعلنون﴾ یہ أعلنَ یُعلنُ سے مضارع ہے، جس کا مصدر إعلان ہے۔

آیت مبارکہ کی تفسیر میں سلف سے منقول روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو منافقین چھپا رہے تھے اس سے مراد یہ ہے کہ **یہود کو اپنی مقدس کتاب کی روشنی میں یہ معلوم تھا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں اور ان کا دین برحق ہے۔ لیکن وہ اس حقیقت کو چھپاتے تھے۔** ان میں سے کوئی دنیاوی مفاد کی خاطر کسی مسلمان کے پاس اس کا اظہار کرتا تو یہود اسے اپنی مخصوص مجلس میں ڈانٹتے اور خوب ملامت کرتے تھے۔ ﴿وما یعلنون﴾ منافقوں کے رویے کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانوں کے پاس آ کر انہیں دھوکہ دینے کے لیے ایمان کا دعویٰ کرتے تھے۔ [انظر التفاسیر: القرطبي، الطبري، ابن عطیة، البغوي، ابن الجوزي، السعدي، ابن کثیر، التفسیر الصحیح، الفرقان، ابن العثیمین]

آیات سے مستنبط فوائد:

فائدہ نمبر1: ﴿وإذا لقوا الذین امنوا قالوا﴾ سے واضح ہوتا ہے کہ یہود میں منافق بھی ہیں۔ [ابن العثیمین] یعنی وہ اپنی دنیاوی مفاد اور مصلحت کے لیے نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان کا اظہار کرتے تھے، لیکن وہ حقیقت میں یہودیت پر قائم تھے۔ اس ایمان کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا جو صرف زبانی ہو؛ کیونکہ ایمان وہ ہے جس پر دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کے علاوہ اعمال صالحہ سے بھی مہر تصدیق ثبت کی جائے۔

اگر کوئی شخص صرف زبان سے اسلام قبول کرے اور قلبی طور پر کفر پر قائم ہو تو وہ اعتقادی منافق ہے۔ اور یہ لوگ

عام کفار کی نسبت مسلمانوں کے لیے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔اسی لیے اللہ نے فرمایا: ﴿إن المنافقين في الدرك الأسفل من النار﴾ [النساء] ''بیشک منافق لوگ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔''

بدقسمتی سے امت مسلمہ منافقین کی وجہ سے اتنی ہزیمت کا شکار ہوئی جتنی واضح کافروں کے مقابلے میں نہیں ہوئی۔ اللہ پاک مسلمانوں پر رحم فرمائے اور منافقوں کی سازشوں سے ہمیشہ محفوظ رکھے۔آمین

فائدہ نمبر۲: ﴿وإذا لقوا الذين امنوا قالوا امنا﴾ یہود جب مسلمانوں سے ملتے تو ان کے ساتھ خوشامد اور دھوکہ دہی کے لیے ایمان کا دعوی کرتے تھے۔معلوم ہوا کہ غدر و دھوکہ دہی یہودی مزاج اور طبیعت کا لازمی حصہ ہے۔ [ابن العثيمين] بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہود کے منافقانہ رویہ کا انکشاف فرمایا: ﴿وقالت طآئفةٌ مِن أهل الكتابِ امِنُوا بالذي أنزِلَ علَى الذينَ امنوا وجهَ النهارِ واكفُروا اخرَهٗ لعلّهم يَرجِعونَ ○ وَلا تُؤمِنوا إلا لِمَن تبعَ دينَكم﴾ [آل عمران ۷۱-۷۲] یہاں سے معلوم ہوا کہ یہودی اگر اسلام کے قریب آکر مسلمانوں سے دوستانہ تعلق ظاہر کرنے لگے، تو مسلمانوں کو ان پر آنکھ بند کر کے اعتماد نہیں کرنا چاہیے؛ کیونکہ یہ لوگ بڑے سازشی ہیں۔ اور ان کی سازشیں کسی سے مخفی بھی نہیں ہیں۔

ان کی اسلام دشمنی کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: ﴿ولن ترضى عنكَ اليهودُ ولا النصارىٰ حتى تتبعَ ملتَهم﴾ ''یہود ونصاری ہرگز آپ سے راضی نہیں ہوں گے، جب تک آپ ان کے دین کی پیروی نہ کریں۔'' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر یہود ونصاری کو دلی دوست بنانے سے واضح طور پر منع فرمایا۔قرآن وسنت کی روشنی میں یہود ونصاری کی اسلام دشمنی کو سمجھنا عین فقہ الواقع ہے۔[انظر: فقه الواقع لناصر العمر ص:۷-۲۳]

پس آج اگر مسلمان امت اگر اپنی کھوئی ہوئی عظمت بحال کرنا چاہے تو اس کا واحد حل یہی ہے کہ اپنے قلوب واذہان میں الولاء والبراء کے اصولوں کو مضبوط کرے اور اپنے حقیقی دشمنوں کو پہچان لے۔امت اپنے تمام سیاسی ومعاشی امور، آئین، دستور اور داخلی وخارجی پالیسیوں کو کتاب وسنت کے مطابق استوار کرے۔

فائدہ نمبر۳: معلوم ہوا کہ یہود انتہائی بے وقوف اور احمق قوم ہیں، کیونکہ یہ اپنے کرتوتوں سے اپنے خلاف دلائل دے رہے ہیں۔ اسی لیے یہ ایک دوسرے پر ملامت کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں: ﴿أفلا تعقلون﴾ [ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۴: ﴿أتحدثونهم بما فتح الله عليكم ليحاجوكم﴾ سے واضح ہے کہ یہود کے پاس نبی آخر الزمان ﷺ کی صداقت اور دین اسلام کی حقانیت کے بارے میں واضح علم تھا۔ بلکہ ان کی کتابوں میں نبی آخر الزمان ﷺ کی نشانیاں اس طرح بیان ہوئیں، جن کے ذریعے انہوں نے آپ ﷺ کو اس طرح پہچان لیا، جس طرح باپ بیٹے کو پہچانتا ہے: ﴿يعرفونه كما يعرفون أبناءَ هُم﴾ اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں مکمل علم کے باوجود انہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ اسی لیے ان پر اللہ کا دائمی غضب اور قہر نازل ہوا۔ [ابن العثیمین] معلوم ہوا کہ حق کو تسلیم کرنے میں سب سے دور اور محروم قوم یہود ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حق کے واضح ہونے کے بعد کفر کرنا نہایت قبیح ترین عمل ہے۔ [الجزائری]

فائدہ نمبر۵: ﴿أتحدثونهم﴾ سلفؒ سے ﴿بما فتحَ اللهُ عليهم﴾ کی تفسیر میں ثابت ہے: بما علّمكم الله "جو اللہ نے تمہیں تعلیم دی۔" معلوم ہوا کہ علم "فتح" کا حصہ ہے۔ یقیناً علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح یعنی کھولنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے علوم ومعارف کے دروازے کھول دیتا ہے، جن کے ذریعے بندوں کے دل ودماغ روشن ہوجاتے ہیں۔ [ابن العثیمین] لیکن "شرعی علم" سے فائدہ صرف اسی کو ہوگا، جو اس کے مطابق "عمل" بھی کرے، ورنہ وہ علم اس کے خلاف حجت ہوگا۔ بلکہ ان بے عمل یہودی علماء کی طرح اللہ کی لعنت اور غضب کا مستحق ٹھہرے گا۔ والعیاذ باللہ

فائدہ نمبر۶: ﴿ليحاجوكم به عند ربكم﴾ سے معلوم ہوا کہ مؤمن اور کافر دونوں اللہ کے ہاں قیامت کے دن اپنی حجت پیش کرتے ہوئے جھگڑیں گے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿إنكَ ميتٌ وإنَّهم ميّتونَ ثمّ إنّكم يومَ القيامة عِند ربّكم تختصمونَ ○﴾ [الزمر ۳۰-۳۱، ابن العثیمین]

فائدہ نمبر۷: زیر تفسیر آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کوئی بھی برا عمل کرکے اسے چھپانے کے لیے حیلے اور بہانے تراشے، بالآخر نفس کی قباحتیں اور خرابیاں ظاہر ہوکر ہی رہتی ہیں۔ وہ دنیا کی سزا سے کسی طرح بچ نکلے، لیکن اس کے

لیے آخرت کی سزا سے بچاؤ ناممکن ہے؛ کیونکہ اللہ سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿قل إن تُخفوا ما في صدورِكم أو تُبدوهُ يعلمْه الله ويعلمُ ما في السمٰواتِ وما في الارضِ والله علىٰ كلِّ شيءٍ قديرٌ ○﴾ [آل عمران ۹] ''کہہ دیجئے: جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اسے اگر تم چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ اسے جان لے گا اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔'' ﴿ألا إنّهم يَثْنُونَ صُدُورَهم ليستخفُوا منه ألا حينَ يستغشُون ثيابَهم يعلمُ ما يسِرُّون وما يُعلِنُون إنّه عليمٌ بذاتِ الصدورِ ○﴾ [هود: ۵] ''سن لو بلاشبہ وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ اللہ سے چھپے رہیں، سن لو جب وہ اپنے کپڑے اچھی طرح لپیٹ لیتے ہیں وہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بیشک وہ سینوں کے راز کو بھی خوب جاننے والا ہے۔''

اسی لیے اللہ تعالی نے قوم یہود کی تحریف اور فرامین الٰہیہ کی مخالفت پر ان کی سرزنش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿أولا يعلمون أن الله يعلم ما يسرون وما يعلنون﴾ [ابن العثيمين، الجزائري]

فائدہ نمبر۸: ﴿أولا يعلمون﴾ اللہ پاک نے ان یہود کے برے اعمال کی وجہ سے بتایا کہ انہیں اللہ تعالی کے وسیع، لامتناہی اور کمال درجے کے علم پر ایمان نہیں ہے۔ اور اگر انہیں اس پر یقین ہوتا تو ان سے اتنے سنگین اعمال سرزد نہ ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے اسمائے حسنیٰ اور صفات جلیلہ کے ساتھ جہالت بداعمالیوں کی بنیادی وجہ ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی کے اسماء وصفات کے علم کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ بندہ مؤمن ان صفات جلیلہ کے تقاضوں کے مطابق عمل پیرا ہو تو اس سے کوئی برائی سرزد نہ ہوگی۔ اور اس کی ساری زندگی اطاعت الٰہی سے معمور ہوگی۔

اس لیے اللہ نے ہمیں حکم دیا: ﴿ولله الأسماءُ الحسنىٰ فادعوهُ بها﴾ ''اللہ تعالی کے عمدہ عمدہ نام ہیں جن کے ذریعے تم اس سے دعا مانگو'' اس مطلوبہ ''دعا'' میں دعائے سوال اور دعائے عبادت دونوں شامل ہیں۔

''دعائے سوال'' یہ ہے کہ ہم اللہ سے اپنی مختلف حاجات اس کے اسماء حسنیٰ میں سے مناسب اسم کے وسیلے سے مانگیں۔ مثلاً: يا غفورُ اغفر لي، يا رحيمُ ارْحمني۔

"دعائے عبادت" سے مراد ہے کہ ہم اسمائے حسنیٰ کے معنی پر غور کرتے ہوئے خوب ذکر الٰہی کریں اوراس کے تقاضوں کے مطابق عمل پیراہوں۔ مثلا اللہ تعالیٰ سمیعٌ بصیرٌ ہے۔یعنی خوب سننے اور دیکھنے والا۔اور اللہ تعالیٰ کی صفات سمع وبصر ہر چیز کے ساتھ محیط ہے۔اور اللہ تعالیٰ ہماری ہر بات سنتے اور ہر عمل کو دیکھتے ہیں۔اگر ہمیں اس پر یقین ہو تو ہم سے کوئی غلط بات یا کام سرزد نہ ہو۔[القواعد المثلى في صفات الله وأسمائه الحسنى ص: ۱-۲]

اسی طرح اللہ تعالیٰ علیم یعنی بہت زیادہ جاننے والا ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم شامل ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف اسالیب میں اپنے صفت علم کی وضاحت فرمائی۔اگر کوئی باحث اللہ کی صفت علم والی آیات کا تتبع کرے،تو قرآن کریم کے ہر صفحے میں اس قسم کی (صریح یا قابل استدلال) آیت مل سکتی ہے۔

اللہ پاک کا علم لامتناہی ہے۔﴿ولا یحیطون بشیءٍ من علمه إلا بما شآءَ﴾ "اللہ کے علم کا کوئی بھی احاطہ نہیں کرسکتا مگراتنا ہی جو وہ عطا فرمانا چاہے۔" [البقرة ۲۵۵] ﴿وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها إلا هو......﴾ [سورة الأنعام ۵۹ ۶۰] "اللہ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا،اور وہی سب کچھ جانتا ہے جو سمندر اور خشکی میں ہے،اور وہ ہر گرنے والے پتے سے بھی باخبر ہے۔اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ بھی ہو یا خشکی ہو یا تری،مگر یہ سب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔وہی اللہ ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے جو کچھ تم دن میں کماتے ہو وہ بھی خوب جانتا ہے۔پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے،تاکہ تمہاری میعاد معین تمام کردی جائے۔پھر اسی کی طرف تمہیں جانا ہے،پھر وہی تم کو بتلائے گا جو کچھ تم کرتے رہے۔"

اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر محیط ہونے کے باوجود لوگوں کی حالت انتہائی تعجب خیز ہے کہ غفلت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ خیانت اور گناہ کرنے والوں سے تعجب کرتے ہوئے فرماتا ہے:﴿یَستخفون مِن الله ولا یَستخفونَ مِن الناس وهو معهم إذ یُبَیِّتُونَ ما لا یرضٰی مِن القولِ﴾ [النساء ۱۰۸] "وہ لوگوں سے چھپ جاتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپ سکتے،جب وہ راتوں کو اللہ کے ناپسندیدہ باتوں کے ساتھ خفیہ مشورے کرتے ہیں،اس